مباحثہ ومکالمہ

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

قادیانی مسئلہ۔حقائق کیا ہیں؟

حالیہ دنوں میں لاہور میں قادیانی معبدوں پر حملوں کا سب سے زیادہ فائدہ خود قادیانی عناصر نے ہی اٹھایا ہے، کیونکہ ان حملوں سے پہلے قادیانیوں کو پاکستان میں دہشت گردانہ کارروائیوں کا مرتکب گردانا جاتا رہا ہے۔ اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کے پیش نظر پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کو قادیانیوں سے لاحق شدید خطرات میڈیا میں زیر بحث رہے ہیں۔ اسی طرح قانون توہین رسالت کو ختم کرانے کے لیے بیرونی طاقتوں کے ذریعے پاکستان پر دباؤ بڑھانے جیسے قادیانی ہتھکنڈوں کا تذکرہ ابھی محفلوں میں جاری ہی تھا کہ اُن کے معبدوں پر حملوں سے ملکی منظر نامہ میں ایک بڑی تبدیلی نے کروٹ لی۔ وہ یہ کہ سیکولر، لبرل اور لادین قلم کار کہ جن کے قادیانی لابی سے دیرینہ خفیہ تعلقات قائم ہیں، اب انہیں خوب کھُل کھلنے کا موقع ہاتھ میں آیا ہے۔ رواداری اور مظلومیت کے پردے میں وہ دھڑلے سے اپنے اخباری مضامین اور کالموں میں قادیانیوں کی حمایت میں الم غلم لکھے جا رہے ہیں اور اس طرح وہ آئینِ پاکستان کا مذاق اڑاتے ہوئے مسلمانوں کو بلا کسی دلیل کے ظالم اور قادیانیوں کو (مجرم ہوتے ہوئے بھی) مظلوم قرار دیتے چلے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف ایسے لکھاری حضرات بھی ہیں جو بے خبری میں مذکورہ ٹولے سے متاثر ہو کر تحفظ ختم نبوت کی عظیم الشان ایک سو سالہ مقدس دینی جدوجہد ہی کو قابل اعتراض سمجھنے لگے ہیں۔ یہ صورتحال قادیانیوں کے حق میں نہایت سود مند اور ماضی سے بے خبر اور حال سے برگشتہ ہماری نوجوان نسل کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

۲ جون ۲۰۱۰ء کے روزنامہ ''اوصاف''، اسلام آباد میں جناب خورشید ندیم نے ''قادیانی مسئلہ'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے مجلسِ احرارِ اسلام کی قادیانیت کے حوالے سے کی گئی جدوجہد پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ: ''ہمارے ہاں بدقسمتی سے قادیانیت اور قادیانیوں میں فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ میرے نزدیک اس کی ایک وجہ مجلسِ احرارِ اسلام ہے۔ یہ [مجلسِ احرار] قادیانیوں کے خلاف اٹھنے والی پہلی عوامی تحریک ہے۔ اس کی قیادت خطیبوں کے ہاتھوں میں تھی اور خطیب کا مخاطب لوگوں کے جذبات ہوتے ہیں، ذہن اور فکر نہیں۔ اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ عوام سے دادِ تحسین وصول کرے۔'' اگر فاضل مضمون نگار مجلس احرار اسلام کی تحریک ختم نبوت کی خدمات کے متعلق تاریخی حقائق پر نظر رکھتے تو یقیناً اُن کے قلم سے مندرجہ بالا الفاظ نہ نکلتے۔ مجلسِ احرارِ اسلام اَسّی سال سے قادیانیت کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ اگر یہ جذباتی تحریک ہوتی تو یہ ابتدائی چند سالوں میں ہی دم توڑ دیتی اور گمنامی کے غاروں میں گم ہو جاتی، مگر مجلسِ احرارِ اسلام کے اکابر کی

دُوررس نگاہوں اور اُن کی خداد بصیرت نے تحفظِ ختم نبوت کے مقدس کام کی بنیاد جن اصول وعقائد اور دستور ومنشور کی روشنی میں رکھی تھی، اُن کے اثرات ماضی کی نسبت آج دنیا کے ہر خطے میں زیادہ واضح انداز میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اُن کی شبانہ روز محنت کے صلہ میں اس محاذ پر مسلمان ہر جگہ سرخرو اور منکرینِ ختمِ نبوت دنیا بھر میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ مجلسِ احرارِ اسلام ۱۹۲۹ء میں معرضِ وجود میں آئی جس کے قیام میں محدثِ کبیر علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کا اصولی مشورہ شامل تھا۔ قادیان کا قصبہ اُن دنوں قادیانیوں کی خود ساختہ ریاست کا درجہ رکھتا تھا۔ جہاں پر صرف قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کا حکم چلتا تھا۔ ایسے حالات میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ اپنے شاگردوں مثلاً مولانا مفتی شفیع مرحوم وغیرہ کو وقتاً فوقتاً قادیان بھیجا کرتے تھے۔ تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے گمراہ کن عقائد سے محفوظ رکھا جا سکے۔ علامہ سید انور شاہ کاشمیریؒ ہی نے قادیانیت کے خلاف مضبوط بنیادوں پر جدوجہد کو منظم کرنے کے لیے ۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے اجتماع میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو پنجاب کا امیر شریعت نامزد فرمایا اور خود سب سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت کی۔ اُن کے بعد مولانا ظفر علی خانؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ سمیت پانچ سو علماءِ کرام نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بیعت کر کے انہیں امیر شریعت تسلیم کر لیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس مقدس مشن کی تکمیل کے لیے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مشورہ پر ہی آل انڈیا مجلسِ احرارِ اسلام کے نام سے ایک مستقل دینی وسیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

مجلسِ احرارِ اسلام ہندوستان کی پہلی جماعت تھی جس نے اپنے تاسیسی اجلاس میں ہی قادیانیت کی سرکوبی کے لیے قرارداد منظور کی۔ یہ درست ہے کہ مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنماؤں نے اپنی جرأت وبے باکی اور غیرتِ دینی کے بل بوتے پر فرنگی سامراج کو جس واشگاف انداز میں للکارا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اُن کے اِسی جرأت مندانہ اندازِ خطابت کی بدولت برِصغیر فنِ خطابت کے ایک جدید اسلوب سے متعارف ہوا، لیکن مجلسِ احرار میں صرف خطابت کے ہی شہسوار نہیں تھے، بلکہ اِس میں علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر فائز سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا مفتی عبدالقیوم پوپل زئی، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد گل شیر خان شہید، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام غوث ہزاروی جیسی قدآور دینی وعلمی شخصیات بھی تھیں۔ جنہوں نے اپنی منفرد خطابت اور قابلِ قدر دین فہمی کے جواہر کے ذریعے عوام کے بے سمت جذبات کو قادیانیت کے خلاف منظم کر کے اُن کے ذہن وفکر کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی پاسداری کے لیے تیار کیا۔

قادیانیت کے فرزندوں نے ظلم ودہشت کی فضا طاری کرنے کے علاوہ مناظرہ بازی، لالچ اور دھونس کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنماؤں نے قادیانیوں کے اِن ہتھکنڈوں کا تفصیلاً جائزہ لیا اور وہ بالآخر اس فیصلے پر پہنچے کہ چونکہ قادیانیت کا خمیر انگریز کے ایماء پر اُٹھایا گیا ہے اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے اس فتنے کو مذہب کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا مناظروں اور مناقشوں سے حتی المقدور بچتے ہوئے قادیانیت کے دجل وفریب کو عوامی سطح پر بیان کیا جائے تاکہ وہ اَن پڑھ مسلمان جو مناظرانہ موشگافیوں اور مخصوص مذہبی اصطلاحات سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے، اُنہیں بھی قادیانیت کے ارتداد سے آشنا کیا جا سکے۔ جب احرار رہنماؤں نے قادیانیت کے مکر وعقائد کو آسان زبان میں عوام کے سامنے لا کر رکھا تو عام مسلمان بھی قادیانی مکر وفریب سے واقف ہوتا چلا گیا۔

احرار رہنما بخوبی جانتے تھے کہ قادیانیت جیسے فتنے کا صرف علمی انداز سے تعاقب کرنا اور محض کتب ورسائل کے ذریعے

اس کے نظریات وافکار کی تردید کر دینے سے ہی کما حقہ دینی فرض ادا نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کا فائدہ چند فی صد تعلیم یافتہ مسلمانوں تک ہی محدود رہتا ہے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد جو تعلیم کی کمی کی وجہ سے کتابی علم سے استفادہ کرنے سے یکسر محروم رہ جاتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی بے مثل خطابت سے کام لیتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور قادیانیت کی اصل غرض وغایت لوگوں کے دل ودماغ میں بیٹھا دی۔ احرار نے قادیانیت کے متعلق پڑھے لکھے مسلمانوں کو کتب ورسائل کے ذریعے شعور بخشنے میں بھی ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ وہ اپنے شعبہ نشر واشاعت کے ذریعے ۱۹۳۰ء سے اب تک بے شمار لٹریچر شائع کرتی چلی آ رہی ہے۔

خورشید ندیم صاحب نے ایک اور عجیب وغریب نکتہ اعتراض اُٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''احرار کا ہدف بدقسمتی سے قادیانیت کی بجائے قادیانی بن گئے، کیونکہ فنِ خطابت کی ضرورت یہی تھی۔ اب بجائے یہ بتانے کے کہ قادیانیت کیسے اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہے، سارا زور اس پر صرف ہونے لگا کہ قادیانی کیسے اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس اسلوب کے غلبے سے قادیانیوں میں ایک ردِ عمل پیدا ہوا، اور اُن میں اصلاح کی بجائے دفاع کا جذبہ ابھرا۔ دوسری طرف ایک عام مسلمان پر یہ اثر ہوا کہ اس میں قادیانیوں سے نفرت اور ناپسندیدگی پیدا ہوئی۔'' اگر محترم مضمون نگار قادیانیت کی پیدائش، قادیانیت کے تخلیق کاروں کے حقیقی عزائم ومقاصد اور قادیانیت کے اسلام دشمن اور ملت کش منصوبوں کا بغور مطالعہ فرماتے تو انہیں احرار کو مطعون کرنے کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی، کیونکہ اس ناقابلِ تردید حقیقت کو تمام دینی وسیاسی حلقے اور تاریخ دان طبقے بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ قادیانیت کی تخم ریزی کے پیچھے انگریز سامراج کے دو بڑے عزائم کارفرما تھے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی مرکزیت کو منہدم کرنے کے لیے جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ ختم نبوت کے برعکس سامراجی نبوت کے برگ وبار اُٹھائے جائیں اور دوسرا یہ کہ اس خانہ ساز نبوت کے ذریعے مسلمانوں کو سامراج کا مطیع وفرمانبردار غلام بنایا جائے۔ پس آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٔ نبوت اِنہی دو مقاصد یعنی مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور انگریز پرستی کو رواج دینے کا ابتدائیہ ثابت ہوا۔ جس نے آگے چل کر نوے سال تک برصغیر کے مسلمانوں کو مضطرب کیے رکھا۔

چونکہ قادیانیت کے آغاز سے ہی علماء کرام قادیانیت کے عقائد ونظریات اور اُس کے اسلام اور مسلمانوں سے متصادم فکر ونظر کی بابت تفصیل سے بتاتے چلے آئے تھے۔ اِس لیے مجلسِ احرارِ اسلام نے اس ضرورت کا احساس کیا کہ اب قادیانیت کے عقائد کے بیان کے ساتھ ساتھ اُس کے قوم وملک کے خلاف دہشت گردانہ منصوبوں کو بھی طشت از بام کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مسلمان اُس کی تخریبی کارروائیوں سے بھی واقف ہو سکیں۔ اس لیے احرار نے قادیانیت کے پیروکاروں کی اسلام، مسلمانوں اور ملک کے خلاف سازشوں سے عوام کی آگاہی کو ناگزیر امر قرار دیا۔ حیرت ہے کہ فاضل مضمون نگار مجلسِ احرارِ اسلام کے اس عمل کو مسلمانوں میں قادیانیوں سے نفرت اور ناپسندیدگی پیدا ہونے کی وجہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان عوام میں قادیانیوں کے خلاف نفرت خود قادیانیوں کے مذموم عقائد اور مسموم اعمال نے ہی پیدا کی ہے۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کو ذُریۃ البغایۃ یعنی کنجریوں کی اولاد ہونے کی گالی دی۔ حتیٰ کہ مرزا قادیانی کے پوتے مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں یہ اعتراف کیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ ماننے والوں یعنی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ کیا قادیانی وڈیروں کے ایسے سینکڑوں غلیظ بیانات ہی مسلمانوں میں قادیانیوں کے

خلاف جذبات کو ہوا دینے کا باعث نہیں بنے تھے؟

اکتوبر ۱۹۳۴ء میں جب مجلس احرارِ اسلام نے قادیان کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں آل انڈیا احرار تبلیغ کانفرنس منعقد کی تو اس کانفرنس کے اثرات سے گھبرا کر قادیانیوں نے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر مقدمہ کرا دیا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو عدالت میں بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ ''مرزائی دنیا کے اُن تمام چالیس کروڑ مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتے، کافر کہتے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اپنے تمام تعلقات مسلمانوں سے منقطع کر لیے ہیں۔ اُن کی رشتہ داریاں منقطع ہو گئی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اپنی لڑکیاں نہیں دیتے۔ مسلمانوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ ہم کو خنزیر کہتے ہیں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو کتیوں سے بدتر کہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہمارے سے تعلقات منقطع کر لیے ہیں۔'' (ہفت روزہ ''آفتاب''، ملتان ۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اس بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے نفرت اور دُوری کی ابتدا، اور انتہا، قادیانی عناصر نے خود کی تھی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مذکورہ بالا مقدمہ کا فیصلہ ممتاز جج جسٹس جی، ڈی کھوسلہ نے کیا تھا۔ اس فیصلہ میں بھی فاضل جج نے قادیانیوں کو ہی مسلمانوں پر مظالم کا مرتکب اور اُنھیں مشتعل کرنے کا باعث قرار دیا تھا۔

محترم خورشید احمد ندیم نے قادیانی اور قادیانیت کی تفریق کر کے لفظی بازیگری سے کام لیا ہے۔ قادیانیت اگر مخصوص عقیدہ و نظریہ کا نام ہے تو قادیانی ہی اُس کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ ہیں۔ اگر آج فلسطینی مسلمانوں پر یہودیوں کے مظالم کی مذمت کی جاتی ہے یا یہودیوں کی سازشوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو دراصل یہودیوں سے مراد یہودیت ہی ہوتی ہے۔ اس طرح اگر قادیانیوں کی مذموم سرگرمیوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے تو یہ درحقیقت قادیانیت ہی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اگر مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنما قیام پاکستان سے قبل پنجاب کی تقسیم کے دوران سر ظفر اللہ خان قادیانی کے باؤنڈری کمیشن میں پاکستان کا کیس خراب کرنے کی بات کرتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ظفر اللہ خان کے قائدِ اعظم کا جنازہ نہ پڑھنے کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور ظفر اللہ خان قادیانی کے ہی بحیثیت وزیر خارجہ، پاکستان کو سیٹو اور سینٹو جیسے بدنامِ زمانہ معاہدوں میں جکڑ کر پاکستان کی خود مختاری کو داؤ پر لگا دینے کے متعلق حقائق واشگاف کرتے ہیں، یا اسرائیل میں قادیانیوں کے مشن کے موجود ہونے کے متعلق قادیانی رسائل کے حوالے سے عوام کو آگاہ کرتے ہیں تو یہ اُن کا دینی ہی نہیں، قومی فریضہ بھی ٹھہرتا ہے، کیونکہ دین و ایمان اور قوم و ملک کے دشمن کے تخریبی ارادوں سے قوم کو بروقت خبردار کرنا قوم کے سچے خیر خواہوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔

اگر اِن حقائق کو جان لینے سے قوم میں دوست، دشمن کی پہچان پیدا ہو جاتی ہے اور اِس میں اپنے دین وطن کے غداروں کے کردار و عمل سے نفرت جنم لیتی ہے تو یہ ہماری دینی، قومی اور ملی غیرت کا تقاضا بھی ہے۔ دشمن کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر بھی اُسے دوست سمجھتے ہوئے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا سراسر حماقت و نادانی ہے۔ یاد رہے! کہ نادان دوست، دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے۔ اگر خورشید احمد ندیم کے فلسفہ کے مطابق قادیانیوں کی اسلام، مسلمان اور پاکستان کے خلاف سازشوں کی نقاب کشائی سے قادیانیوں کے خلاف نفرت کو فروغ ملتا ہے، تو علامہ محمد اقبالؒ کے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام خط میں شامل اِس جملے کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ:

''میں اِس باب میں کوئی شک و شبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''۔